اعلیٰ تعلیم اور تحقیق:
عالمگیر دنیا کے رجحانات اور چیلنج

فرانس ویریلا

اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کے نئے رجحانات اور نئے پہلوؤں کی تلاش اکیسویں صدی کی عالمگیر دنیا میں اضافی اہمیت کی حامل تصور کی جاتی ہے۔ آج کی معیشتوں کی مضبوطی کا انحصار کیونکہ اس بات پر بڑھتا چلا جا رہا ہے کہ وہ علم و دانش اور مہارت کو کتنی اچھی طرح استعمال کر سکتی ہیں، اس لیے بین الاقوامی مسابقت میں اعلیٰ تعلیم کا کردار انتہائی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ یہی نظام نئے حالات، نئی منڈیوں اور نئے طریقوں کو بخوبی اپنانے کے حوالے سے کسی معیشت کی صلاحیت کا تعین کرتا ہے، لہٰذا کمتر مسابقتی اعلیٰ تعلیمی نظام کے حامل ممالک کو ہماری عالمگیر دنیا میں کسی چیز کی پیداوار پر دوسرے ملکوں کی نسبت قابل لحاظ حد تک زیادہ لاگت برداشت کرنا پڑتی ہے۔

عالمگیریت کا عمل اعلیٰ تعلیم اور تحقیق پر آج ہمیشہ سے زیادہ گہرا اثر ڈال رہا ہے۔ صنعتیں اور خدمات بڑی تیز رفتاری سے سمندر پار اس عمل میں شامل ہونے والے نئے ملکوں کو منتقل ہو رہی ہیں، جس کی وجہ سے ٹیکنالوجی کو خوب تر بنانے کی یا، زیادہ عام انداز میں کہا جائے تو، بین الاقوامی مسابقت میں علم دانی معیشت کی اہمیت بڑھ رہی ہے۔

آج کے ڈیجیٹل دور میں، گلوبل نیٹ ورکس کی تعمیر کے لیے بہت سے علمی ادارے بتدریج ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے ہیں۔ یہ صورت حال ذرائع مواصلات میں تکنیکی انقلاب، سائنس کی ترقی، اور اس کے ساتھ ساتھ خود علم و دانش کی اپنی فطرت سے جنم لے کر، اب اکیومولیشن کے ذریعے عمل کر رہی ہے۔

تین بنیادی رجحانات عالمی سطح پر تعلیم اور تحقیق کی صورت گری کر رہے ہیں:

۱) تیسرے مرحلے کی اعلیٰ تعلیم کی بین الاقوامی نقل و حرکت میں اضافہ، جو اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کے اندر مسابقت کے نئے طریقوں کو فروغ دے رہا ہے،

۲) معاشی مسابقت، جو اب اعلیٰ تعلیم و تحقیق میں کلیدی کردار ادا کر رہی ہے، اور

۳) علمی اور تحقیقی اداروں میں مسابقت، جو ان کی توجہات، تنوع اور جدت کاری پر اثر انداز ہو رہی ہے۔

نقل و حرکت میں تیز رفتار اضافہ

اعلیٰ تعلیم کی بین الاقوامی نقل و حرکت کوئی نیا معاملہ نہیں ہے، لیکن جس رفتار سے اور جس سطح پر یہ کام ہو رہا ہے، وہ غیر معمولی ہے۔ اکیسویں صدی کے ابتدائی برسوں کے دوران، اعلیٰ تعلیم و تحقیق کے حوالے سے عالمگیریت کا عمل بین الاقوامی نقل و حرکت کے نئے دور میں داخل ہو گیا ہے۔

بین الاقوامی نقل و حرکت کا نیا دور

بین الاقوامی سطح پر طلبہ کے تبادلوں کا سلسلہ بڑھ رہا ہے۔ یورپ نے یقیناً دنیا کو اس وقت ایک نئی راہ دکھائی جب ۱۹۸۷ء میں اس نے اراسمس (Erasmus) یعنی یورپ ریجنل ایکشن اسکیم فار دی موبیلٹی آف یونیورسٹی اسٹوڈنٹس پروگرام شروع کیا۔ یہ پروگرام اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلا اور اچھوتا تھا اور اس کا مقصد ”مختلف زبانوں اور ثقافتوں کے حامل یورپی نوجوانوں میں براہ راست رابطے کے ذریعے یکساں شناخت اور اقدار کو ابھارنا تھا۔“ اراسمس یورپی یونیورسٹیوں کے درمیان چھ ماہ سے ایک سال تک، طلبہ کے لیے تبادلے کے مواقع فراہم کرتا اور اس ضمن میں انتظامی ذمہ داریاں انجام دیتا ہے۔ میزبان یونیورسٹی کوئی سند جاری نہیں کرتی مگر یورپین کریڈٹ ٹرانسفر سسٹم (ای سی ٹی ایس) کے باعث طلبہ کے لیے رقوم کی منتقلی اور انہیں جمع کرنے کی سہولت موجود ہوتی ہے۔ یورپی یونین تقریباً ۴۵۰ ملین یورو سالانہ کے خطیر موبیلٹی بجٹ کے ساتھ اس پروگرام کے لیے رقم فراہم کرتی ہے۔

اعلیٰ تعلیم میں منظّم ثقافتی رنگارنگی کی یہ بہت اچھی مثال ہے۔ تاہم، طلبہ کے بین الاقوامی تبادلے اب بھی دورِ جدید کی ایک عیاشی ہیں جو صنعتی ملکوں کی یونیورسٹیوں کے لیے مخصوص ہے۔

طالب علموں کی حقیقی بین الاقوامی نقل و حرکت، اُن کا اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں جا کر پڑھنا اور گریجویشن کرنا ہے۔ آرگنائزیشن فار اکنامک کوآپریشن اینڈ ڈیولپمنٹ (او ای سی ڈی) کے مطابق او ای سی ڈی ممالک میں طلبہ کی بین الاقوامی نقل و حرکت پچھلے بیس سال میں دوگنا سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ او ای سی ڈی ملکوں میں بین الاقوامی طلبہ کی تعداد میں اضافے کی رفتار، او ای سی ڈی ملکوں کے مقامی طلبہ کی نسبت دوگنی ہے۔ مختصر یہ کہ ۲۰۰۴ء کے دوران او ای سی ڈی ملکوں میں اعلیٰ تعلیمی کورسوں میں بین الاقوامی طلبہ کا اندراج ۲۶۷ ملین رہا۔ چھ ملک دنیا کے ۶۷ فی صد بین الاقوامی یا موبائل طلبہ کی میزبانی کرتے ہیں: ان میں سے ۲۳ فی صد امریکا میں پڑھ رہے ہیں، ۱۲ فی صد برطانیہ میں، ۱۱ فی صد جرمنی میں، ۱۰ فی صد فرانس میں، ۷ فی صد آسٹریلیا میں، اور ۵ فی صد جاپان میں[۲]۔

طلبہ کی نقل و حرکت، بین الاقوامی سطح پر ماہرین اور محققین کی نقل و حرکت سے مماثلت رکھتی ہے اور پچھلے بیس سال کے دوران بہت بڑھی ہے۔ تاہم اس حوالے سے ترقی کس حد تک ہوئی، اس کی پیمائش بہت مشکل ہے۔ قومی سطح پر ماہرین کی خدمات اب بھی بڑی حد تک قانونی بنیادوں پر حاصل کی جاتی ہیں، پھر بھی مختلف موضوعات کے ماہرین و محققین کی ایک بین الاقوامی منڈی ابھر رہی ہے۔

نقل و حرکت کی نئی شکلیں: اعلیٰ تعلیم کی سطح پر 'تعلیمی اشیاء کی بین الاقوامی نقل و حرکت' کی نئی شکلیں اور بھی پیچیدہ ہیں۔ اس کی ایک مثال ملکوں کے درمیان کورسز کی نقل و حرکت ہے۔ نقل و حرکت کی اس قسم میں، جو اکثر اپنی نفیس شکل میں 'سمندر پار' کہلاتی ہے، کوئی یونیورسٹی کسی بیرونی ملک میں اپنی شاخ قائم کرتی ہے۔ یہ شاخ ان ہی کورسوں، پروگراموں اور سندوں کی پیش کش کرتی ہے جن کا اہتمام میزبان ملک میں اس کی 'سرپرست کمپنی' کی جانب سے کیا جاتا ہے۔

تعلیمی فرنچائزنگ، نقل و حرکت کی اور بھی زیادہ پرتکلف شکل ہے، اور برطانیہ اور امریکا کی جامعات بڑے پیمانے پر اس پر عمل کر رہی ہیں۔ اس بندوبست کے تحت، سرپرست یونیورسٹی اپنا مکمل

نصاب اور سندیں کسی غیر ملکی کمپنی کو منتقل کرتی ہے۔ یہ یونیورسٹی تمام جاری کی جانے والی سندوں کے لیے کی گئی ادائیگی کے عوض، معیار پر کنٹرول اور تعلیمی عمل کی نگرانی کی ضمانت دیتی ہے۔ یہ سمندر پار ماڈل، غیر ملکی جامعات کے درمیان قائم ان بین الاقوامی اتحادوں اور شراکتوں کی جعل سازی کا احاطہ بھی کرتا ہے جنھیں کسی مخصوص ملک میں نصاب یا ریسرچ پروگرام تیار کرنے کے لیے وجود میں لایا جاتا ہے۔

مستقل پر جوش مسابقت

نقل و حرکت کی نئی اقسام، اعلیٰ تعلیم و تحقیق کے قومی نظاموں پر گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ اعلیٰ تعلیمی اور تحقیقی نظاموں کے حوالے سے ملکوں اور اس کے ساتھ ساتھ علمی اداروں کے درمیان شدید تر مسابقت شروع ہو چکی ہے۔

طلبہ اور ماہرین کی ایک نئی منڈی کا ظہور

بہترین غیر ملکی طلبہ کو اپنے اسکولوں اور یونیورسٹیوں کی جانب راغب کرنے کے لیے انتہائی ترقی یافتہ ملکوں کے درمیان مقابلے نے انھیں غیر شائستہ بنا دیا ہے۔ تھرڈ پارٹی ملکوں کے اشرافیہ کی تربیت کے ذریعے وہ اپنے اثرات کو منوانے کی واضح نیت رکھتے ہیں۔ اس قسم کی پالیسیاں پروفیسر جوزنائے کی پیش کردہ سافٹ پاور تھیوری کے اطلاق کی ایک شکل ہیں[3]۔ سیاسی، معاشی، قانونی، ثقافتی اور فوجی اشرافیہ کے ذریعے ان ملکوں کا اثر و رسوخ قائم ہوتا اور پھیلتا ہے۔

اسی طرح بہترین غیر ملکی طلبہ کو مناسب امیگریشن پالیسی کے ساتھ قومی تعلیمی مارکیٹ کی جانب راغب کرنا، کسی ملک کو بیرونی ملکوں سے ذہنی انخلاء یا خود اپنے ملک سے ذہنی صلاحیتوں کے حصول کے ذریعے پبلک ریسرچ پالیسیوں کو ترقی دینے کے قابل بناتا ہے۔ میزبان ممالک ایسی امیگریشن پالیسیاں تشکیل دیتے ہیں جو نہایت منتخب افراد کے لیے ہوتی ہیں۔ او ای سی ڈی کے مطابق امریکا ''انتہائی ماہر تارکین وطن کے لیے سب سے بڑا مقناطیس[4]'' ہے۔ دستیاب اعداد و شمار کے مطابق، فی الحقیقت، ۱۹۹۹ء میں، امریکا میں سائنس اور انجینئرنگ میں ڈاکٹریٹ کی سند رکھنے والے ۲۷ فی صد

ماہرین، بیرونی ملکوں میں پیدا ہونے والے لوگ تھے۔ انجینئر نگ میں یہ شرح ۴۴٫۶ فی صد اور کمپیوٹر سائنس میں ۴۶٫۴ فی صد تھی ۵۔

ان سیاسی اور سائنٹفک معاملات کے علاوہ، طالب علموں کی بین الاقوامی نقل وحرکت، ایک انتہائی پرکشش اقتصادی مارکیٹ کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔ او ای سی ڈی کے مطابق، بین الاقوامی تجارتی اور تعلیمی خدمات، خدمات کی کل عالمگیر برآمدات کا تین فی صد بنتی ہیں۔ آسٹریلیا جیسے ملک میں توازن ادائیگی کو برابر یعنی 'نہ نفع نہ نقصان' کی سطح پر رکھنے میں یہ چیز بنیادی مدات میں سے ایک بن گئی ہے۔ بیرونی طلبہ کی طرف سے ادا کی گئی تعلیمی فیسوں کے علاوہ، سفر اور غیر ملک میں قیام پر بھی قابل لحاظ رقم خرچ کی جاتی ہے۔ طلبہ کی بین الاقوامی نقل وحرکت ایک ملک کو اپنے اداروں کے لیے بین الاقوامی کشش کو ناپنے اور اس طرح اپنے اعلیٰ تعلیمی و تحقیقی اداروں کے لیے بین الاقوامی اعتبار کا اندازہ لگانے کے قابل بناتی ہے۔ اعلیٰ تعلیمی و تحقیقی اداروں کے درمیان بہترین ماہروں کی خدمات کے حصول کے لیے مسابقت شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔ کسی تعلیمی ادارے کے عملے کے لیے بہترین ماہروں اور تحقیق کاروں کو راغب کرنے کی خاطر نوبل انعامات یا فیلڈ میڈلس جیتنے کے حوالے سے دعوے بہت اہمیت رکھتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ سرکاری اور نجی فنڈز کے حصول کے امکانات کو بڑھایا جا سکے۔ پیش کی جانے والی مراعات اور رہائشی سہولتوں کے حوالے سے تعلیمی اداروں کے درمیان مسابقت بہت زیادہ غیر مساوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر ممالک اپنے ماہرین اور محققین کے لیے اپنی سول سروسز میں گنجائش نکالتے ہیں، کیونکہ وہ کھیل کے اس میدان میں سنجیدگی سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اعلیٰ تعلیم - اب تک غیر منافع بخش منڈی

اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کے میدانوں میں مسابقت کے تیز رفتار پھیلاؤ نے ایک ایسے دائرے میں منڈی کی اجناس کو متعارف کرایا ہے جو اس سے پیشتر اس قسم کے معاملات سے دور تھا۔ یہ مقابلہ ایسے مختلف طریقوں سے روبعمل آتا ہے جن کا انحصار مالی وسائل کی نوعیت پر ہوتا ہے۔ ٹینڈرز کے لیے بولیوں کی طلبی، اداروں کو تحقیق اور تدریس دونوں مقاصد کے لیے شفاف طریقے سے ٹھوس مالی وسائل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] (٢

[illegible] (١

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جانے کی راہ میں متعدد اہم رکاوٹیں حائل ہیں۔ کچھ قدغنیں دانستہ کھڑی کی گئی ہیں اوران کا تعلق ان قواعد وضوابط اور طریق ہائے کار سے ہے جنہیں تعلیمی اسناد کے اجراء اور فضلاء و ماہرین کے قومی مرتبے وغیرہ کے حوالے سے نافذ کیا گیا ہے۔ تاہم اس کے علاوہ لسانی، ثقافتی اور مالیاتی موانع بھی موجود ہیں۔

نئے چیلنج

اعلیٰ تعلیمی نظاموں پر عالمگیریت کے اثرات سے، مختلف اہمیت کے تین چیلنج ابھرتے ہیں:

۱) اس میدان میں معیارات کا ظہور

۲) تعلیمی اداروں کے درمیان بڑھا ہوا تفاوت

۳) تدریس، تحقیق اور معاشی بڑھوتری کے مابین مشکل ارتباط

اعلیٰ تعلیم کے میدان میں معیارات قومی سطح پر متعین کیے جایا کرتے تھے۔ نصابوں اور سندوں کے بارے میں تمام متعلقہ تفصیلات ریاست طے کرتی تھی۔ اس کے برعکس آج کل مسابقت ہی تمام ''معیارات'' کا تعین کرتی ہے۔ تاہم بات چیت کا سلسلہ افراد کے ذریعے چلتا ہے، جو ایک سے دوسرے ادارے یا ملک تک متحرک رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خود اداروں کی جانب سے بھی دو بنیادی رجحانات سامنے آئے ہیں: امریکی تعلیمی نظام، تعلیمی پروگراموں کے لیے بنیادی معیار بن گیا ہے، اور وہ تعلیمی ادارے جو بین الاقوامی مسابقت میں بہت زیادہ شریک ہیں (مثلاً بزنس اسکول)، بین الاقوامی انجمنوں کے سانچے کے اندر خود اپنے معیارات وضع کرتے ہیں۔

تعلیمی اداروں کے درمیان تفاوت، قومی اور بین الاقوامی، دونوں سطحوں پر بڑھ رہا ہے۔ سب سے نمایاں فرق کا تعلق مالی اور انسانی وسائل فراہم کرنے کی صلاحیت سے ہے۔ اس کے علاوہ تدریس اور تحقیق کے معیار، اوران خدمات کے تنوع اور معیارات میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے جو تدریس اور تحقیق کی جانب سے درکار ہیں۔

ایک مثال سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ۲۰۰۶ء میں تقریباً ۸۰۰۰ طلبہ کے لیے پرنسٹن

یونیورسٹی کا آپریٹنگ بجٹ ایک بلین ڈالر تھا۔ جبکہ اسی سال ۷۵۰۰ طلبہ کے لیے لندن اسکول آف اکنامکس اور ۶۵۰۰ طلبہ کے لیے 'سائنسز پو اِن پیرس' کے بجٹ بالترتیب ۳۳۵ ملین اور ۱۳۵ ملین پاؤنڈ تھے۔ مزید قابل توجہ بات یہ ہے کہ امریکا کی بڑی ریسرچ یونیورسٹیوں کے مالی وسائل کئی ارب ڈالر تک پہنچتے ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے محفوظ مالی وسائل ۲۶ بلین ڈالر کے قریب ہیں۔

ٹیکنالوجیکل، سائنٹفک اور مالیاتی وسائل، گنتی کے چند تعلیمی اداروں تک محدود ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس سمت میں جاری پیش رفت اعلیٰ تعلیمی اور تحقیقی نظاموں میں ایک متضاد اور غیر مساوی تقسیم کا سبب بن رہی ہے۔ امریکی اور برطانوی یونیورسٹیاں، دنیا کی بہترین جامعات میں نمایاں مقام کی حامل ہیں۔ ٹائمز ہائیر ایجوکیشن کی جانب سے ۲۰۰۶ء کے لیے جاری کردہ اعداد و شمار کی رو سے دنیا کی ۱۰۰ سرفہرست جامعات میں سے نصف کا تعلق ان ممالک سے تھا۔

اعلیٰ تعلیمی نظاموں کو شکست و ریخت کی جس صورت حال کا سامنا ہے، اس سے ابھرنے والا چیلنج یہ ہے کہ تعلیمی ادارے کس طرح جمہوری بنائے جاسکتے ہیں؟ تمام اداروں میں معیار کی ضمانت کس طرح دی جاسکتی ہے؟ اعلیٰ تعلیم تک رسائی رکھنے والے طلبہ کی تعداد کیسے بڑھائی جاسکتی ہے؟

تیسرا اور یقینی طور پر سب سے پیچیدہ چیلنج، تدریس، تحقیق اور معاشی ترقی کے تین ستونوں کے درمیان تعلق کے حوالے سے ہے۔ فرانسیسی تھنک ٹینک انسٹی ٹیوٹ مونٹین Montaigne کی ایک رپورٹ واضح کرتی ہے کہ اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کے عالمی مقابلے میں یورپ کس قدر پیچھے رہ گیا ہے۔

یورپ کو، مثال کے طور پر، اپنے بیس اعلیٰ تعلیمی اداروں کو لازماً تیزی سے دنیا کی بڑی یونیورسٹیوں کی سطح تک بلند کرنا چاہیے۔ آج کل ہم معیشت کی مسابقتی فوقیت کو تسلیم کرتے ہیں، اور اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ طویل مدت میں اس کی بڑھوتری، ایجاد و اختراع کی صلاحیت اور فائل پیٹنٹس (Pantents) پر منحصر ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ریسرچ کی سطح پر مناسب اور کافی وسائل اور ریسرچ اور ملک کی معاشی ضروریات کے تانے بانے کے درمیان ربط کو یقینی بنانے کے لیے ایک قریبی تعلق درکار ہے۔ اعلیٰ تعلیم کا روایتی ماڈل اس نئی صورت حال کے لیے وضع نہیں کیا گیا تھا۔

نئی ٹیکنالوجیوں کا معاملہ اب بہت اہم ہے۔نئی ٹیکنالوجیاں...جیسے نئے میٹریل، نانوٹیکنالوجی، بایوٹیکنالوجی، نئی انفارمیشن اور کمیونیکیشن ٹیکنالوجی...ان طریقوں کو متعین کرتی ہیں جن میں پیداوار کو یقینی بنایا جاتا اور پوری معیشت کو مہمیز دی جاتی ہے۔"کل کی معیشت کی نئی بنیادیں کیمپسوں اور لیبارٹریوں میں تحقیق کاروں کے گروہوں کے اندر سے، سرمایہ کاروں کے ساتھ مکالمے کے ذریعے ابھر رہی ہیں۔"

اعلیٰ تعلیمی و تحقیقی نظاموں کی قسمت کا انحصار تین معاملات میں ان کے جواب دینے کی اہلیت پر ہے:

- تدریس اور تحقیق کے حاصل کے معیار کا اندازہ کرنا
- وسائل کے ارتکاز کی سطح کا اندازہ لگانا: وسائل گنتی کے چند تعلیمی اداروں میں کیسے مرتکز کیے جا سکتے ہیں جبکہ نظاموں کو جمہوری بنانے کی ضرورت ہے؟
- تدریس، تحقیق اور معاشی ترقی میں باہمی ربط قائم کرنا: یونیورسٹیوں کو، جو علم و دانش کی پیداوار اور تقسیم کے عمل کی روح رواں ہیں، معاشی تانے بانے سے، جس میں وہ کام کرتی ہیں، گہرا ربط استوار کرنا چاہیے۔تاہم یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا یہ صورت فضلاء و ماہرین کی جانب سے طلب کی جانے والی کامل سائنٹفک آزادی سے مطابقت رکھتی ہے؟

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ اعلیٰ تعلیمی اور تحقیقی اداروں میں عالمی سطح پر لبرلائزیشن کا عمل جاری ہے۔کوئی بھی چیز اس تبدیلی کو روک نہیں سکتی۔ان نئے محرکات کو، اپنے معاشروں کے لیے مفید بنانے کی خاطر، درست راہ پر لگانے کی فوری ضرورت ہے۔بلاشبہ اس حقیقت پر غور کیا جانا چاہیے کہ علم و دانش سب سے پہلے اور سب سے زیادہ عوام کی چیز ہے، منڈی کا مال نہیں۔اس لیے اعلیٰ تعلیم و تحقیق کی مسابقتی ترقی اور اس کے عوامی خدمت کے مقصد کے درمیان لازماً ایک توازن ڈھونڈا اور قائم کیا جانا چاہیے۔

حواشی

۱ : اِراسمس منڈس پروگرام، اعلیٰ تعلیم کے میدان میں باہمی تعاون اور نقل وحرکت کا ایک پروگرام ہے جو پوری دنیا میں یورپی یونین کو علم و دانش کے کلیدی مرکز کی حیثیت سے فروغ دیتا ہے۔(یورپین کمیشن، ''اراسمس منڈس'')

۲ : یونیسکو انسٹی ٹیوٹ آف اسٹیٹس ٹکس، ''گلوبل ایجوکیشن ڈائجسٹ ۲۰۰۶ء''۔

۳ : Nye, 2004

۴ : ایضاً

۵ : ایضاً